# ڈاکٹر شیر شاہ سیّد، بہترین مسیحایا افسانہ نگار

ڈاکٹر عمارہ طارق☆

## Dr. Shair Shah syed, The best doctor or fiction writer

Dr. Ammara Tariq

**Abstract:**

Dr. Sher Shah Syed is a medical professional and is an eminent Gynecologist but his passion and romanticism for literature had also made him a brilliant fiction writer. His love for literature can easily be gauged out from his literary work which includes ten fictions collections, novels, translation books, Kids literature and books on medical.

Dr Sher Shah Syed's literary work clearly demonstrate his narrative on love, compassion, social peace and women rights. His creations in literature manifests his conviction towards humanity. In this article critique of fictions created by Dr. Shah has been presented which will be instrumental to determine his stature in literature

**Key words:**

Gynecologist, fiction, women, nights narrative, short story

**کلیدی الفاظ:**

ڈاکٹر، فکشن، خواتین کے حقوق، بیانیہ، افسانہ

افسانہ کہانی کہنے کا فن ہے اور اس کہانی کا بنیادی کردار انسان ہے۔ یہاں تک کہ وہ افسانے جن میں کہانی کا موضوع انسان کے بجائے جانور، درخت، پودے یا مٹی کے ذرات ہیں تب بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ رمزیت، اشاریت اور علامتیت کی زبان میں دراصل انسان ہی کا کردار اور عمل کرتا دکھائی دیتا ہے۔ افسانہ حقیقت میں "انسان اور زندگی" کا بہترین عکاس ہے۔ افسانے کی تاریخ پر اگر غور کی نگاہ کریں تو ہم دیکھتے ہیں کہ افسانے کی بساط پر کئی طرح کے مہرے سجائے گئے اس پوشاک میں مختلف رنگ ابھرتے، چمکتے اور پھیکے پڑتے دکھائی دیتے ہیں۔ انیسویں صدی کے

☆ صدر شعبہ اردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور

آخر میں ابھرنے والی اس صنف کو جب اُردو کے دامن میں سمیٹا گیا تو مختلف النوع تجربات نے اس کا خیر مقدم کیا۔ کبھی تخیل اور جمالیاتی فضا اس کو ساز گار آئی اور کبھی تلخ حقیقت نگاری اس کی معراج ٹھہری، کہیں سیاسی و معاشی بحران کا بیان اس کا مدعا قرار دیا گیا اور کہیں طبقاتی کشمکش اور جنگ و فسادات کا موضوع اسے راس آیا، کبھی اس سیاسی ہلچل و اضطراب اور تلخی کام و دہن کے کربناک تجربات کو برداشت کیا تو کہیں علامات و استعارات اور رمز و کنایات کی زبان میں "پرورشِ لوح و قلم" کے احساسات سے خود کو مزین کیا۔ الغرض آغاز سے عصرِ حاضر تک یہ صنف انسان، جذبات، محسوسات اور معاشرے کی عکاسی کر رہی ہے۔ اب افسانے اور اس کے بدلتے رنگ و رجحانات کے باعث اسے غیر ادبی، غیر تخلیقی، غیر فنی اور محض لفظوں کی گھسی پٹی کہانی کہہ کر ناقدین بحث کا بازار گرم کریں تو کریں مگر اس حقیقت سے نگاہ نہیں چرا سکتے کہ یہ کہانی کا فن جو افسانے کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے ساری دنیا کے ادب و کلچر میں اصل اہمیت اسی کہانی کی ہے۔ شاعری اور تنقید کے فن کو جتنا بھی عروج مل جائے اس صنف کے سامنے ان کا رتبہ ضمنی ہی رہے گا۔

قیصر تمکین لکھتے ہیں:

> "اگر کہانی نہ ہو تو تصویرِ کائنات میں رنگ آفرینی کا خیال ہی عبث ہو گا۔۔۔ شاعری محض لباس ہی ہوتی ہے اور جس بدن پر یہ لباس پہنایا جاتا ہے وہ ہوتا ہے کوئی قصہ، کوئی کہانی، کوئی داستان"

اس ابتدائی گفتگو سے میرا مقصد افسانے کی اہمیت یا برتری ثابت کرنا اہم نہیں ہے بلکہ اصل مدعا اس حقیقت کی بازیافت ہے کہ افسانہ زندگی اور اس کے موضوعات کا اصل نباض اور عکاس ہے۔ اب میں اس مضمون کے حقیقی مقصد کی طرف آتی ہوں افسانے کی صنف میں زندگی کی حقیقت کی عکاسی ادب کے بہترین افسانہ نگاروں نے باکمال انداز میں کی اور فنی معراج کو بھی پہنچے۔ یہ افسانہ نگار کسی نہ کسی انقلابی تحریک یا رجحان سے بھی وابستہ رہے اور افسانے کے دامن کو شاہکار افسانوں سے مالا مال بھی کیا۔ ادب جب ادیبوں مصنفین کا اوڑھنا بچھونا ہو تو پھر ادب میں شاہکار تحریری یقیناً پیدا ہونا لازمی امر ہے مگر حیرت کی بات تب ہوتی ہے جب کوئی علم دوستی اور ادب سے محبت و سرشاری کی کیفیت اپنے اُوپر یوں طاری کرے کہ وہ ادب کے سہارے زندگی کی تلخی اور معاشرے کی بے حسی کی تصویر کشی کو مقصدِ حیات بنالے۔ ڈاکٹر "شیر شاہ سید" ایک ایسے ہی علم دوست انسان ہیں جو جسموں کی مسیحائی کرتے کرتے روح کی مسیحائی کا ہنر جان گئے ہیں۔ جو جسمانی عضو کے ناسوروں کا علاج کرتے کرتے ان معاشرتی ناسوروں تک رسائی حاصل کر گئے ہیں

جن کا جڑ سے نکالنا ضروری ہے۔ وہ خواتین کے اندرونی امراض کے ماہر تو ہیں ہی مگر وہ ان کے قلبی و روحانی دکھوں اور اذیتوں کی شفایابی کے ہنر میں مہارت کی جستجو میں مستعد دکھائی دیتے ہیں اور بقول راشد:

"تمنا کی وسعت کی کس کو خبر ہے"

کے مصداق اپنی تلاش و جستجو کو افسانے کی زبان میں ڈھالتے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر شیر شاہ سید پیشے کے اعتبار سے "گائناکالوجسٹ" ڈاکٹر ہیں۔ مگر ادب کے میدان میں وہ ایک ماہر افسانہ نگار، ناول نگار، مترجم اور تحقیقی و معلوماتی ادبی لکھاری کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ علم و ادب کی لگن و محبت انہیں ورثے میں ملی ہے۔ شیر شاہ سید کے والد ابو ظفر آزاد خود میڈیکل کے طالب علم تھے اور تعلیم یافتہ معروف وکیل کے بیٹے تھے جو ابو ظفر کو ڈاکٹر بنانا چاہتے تھے مگر ابو ظفر نے برطانوی سامراج کے خلاف کلمۂ حق بلند کر کے پٹنہ میڈیکل کالج کی تعلیم کو خیر باد کہہ دیا اور حق و صداقت کے لئے جہاد کا آغاز کیا، قید کاٹی اور مالی پریشانیاں جھیلیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی سے نفرت کا یہ عالم تھا کہ تمام عمر انگریزی لباس نہ پہنا اور نہ چائے پی۔ دوسرے لفظوں میں ہم کہہ سکتے کہ تعلیم سے محبت اور ظلم سے نفرت کے اظہار کا جذبہ شیر شاہ سید کو میراث میں ملنے والی صفات میں ایک تھا۔ علم سے لگن کا عالم یہ تھا کہ شیر شاہ سید نے اپنی بیگم عطیہ ظفر جو محض قرآن پڑھنا جانتی تھیں۔ انہیں آتشِ علم کے شوق میں حروفِ ابجد سکھاتے ہوئے میڈیکل کی اعلیٰ تعلیم حاصل کروائی اور انہیں ایک کامیاب ڈاکٹر بنا دیا۔ انہوں نے اپنی تمام اولاد کو میڈیکل ڈاکٹر بنا کر اس ادھورے خواب کی تکمیل کا فرض سرانجام دیا۔ یہ دلچسپ امر ہے کہ ان کے جملہ اہلِ خانہ میڈیکل کے شعبے سے وابستہ ہیں۔

ڈاکٹر شیر شاہ سید نے میڈیکل کی اعلیٰ تعلیم بیرونِ ملک سے حاصل کی اور اپنی پیشہ وارانہ خدمات کے سلسلہ میں کینیا، انگلینڈ، آئرلینڈ اور تنزانیہ کے مختلف ہسپتالوں میں تعینات رہے۔ اپنے فطری حب الوطنی کے پیشِ نظر انہیں اپنے ملک کے بیشتر سرکاری ہسپتالوں میں خدمات سر انجام بھی دیتے رہتے ہیں۔ شیر شاہ سید نے اپنے پیشے میں بھی حق اور انصاف کا مظاہرہ کرتے ہوئے بڑے بڑے میڈیکل ہسپتالوں کی بدعنوانیوں کے خلاف لکھا اور آواز بلند کی۔ نتیجہ کے طور پر انہیں دور دراز کے غیر معروف ہسپتالوں میں ٹرانسفر کر دیا جاتا مگر وہ خدمتِ خلق کے جذبے سے سرشار اندرونِ سندھ اور مختلف گوٹھوں کے نادار اور مستحق افراد کی خدمت کو اپنا نصب العین سمجھتے۔ حقیقت میں ان کے سامنے ان کی والدہ کا عملی نمونہ تھا جنہوں نے کئی میڈیکل ٹریننگ انسٹیٹیوٹز اور غریبوں کے مفت علاج کے ادارے کھولے ہوئے تھے جو ترقی کرتے ہوئے آج معروف اداروں میں بدلے دکھائی دیتے ہیں ان میں عطیہ جنرل ہسپتال، کوہی گوٹھ ہسپتال، عطیہ

سکول آف پیرامیڈیکس، عطیہ سکول آف مڈوائفری، عطیہ سکول آف نرسنگ وغیرہ شامل ہیں۔ قابل ماں باپ کے قابل بیٹے ڈاکٹر شیر شاہ سید کی زندگی کے رخ کو دیکھیں تو قابل ادیب، افسانہ نگار اور ادبی ذوق رکھنے والے انسان سے ملاقات ہوتی ہے۔ ادب سے رغبت اور شعری ذوق بھی خاندانی تھا۔ شیر شاہ سید کے دادا انہیں بچپن میں مرزا غالب الطاف حسین حالی، علامہ اقبال اور داغ دہلوی کے اشعار سکھاتے اور سمجھاتے۔ ان کی والدہ بھی ادبی ذوق رکھنے والی خاتون تھیں۔ ڈاکٹر شیر شاہ سید خود اس کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> "شکر گزار رہوں اپنی والدہ کا، محترمہ ڈاکٹر عطیہ ظفر کا جنہوں نے "فسانہ مبتلا سے مراۃالعروس" امراؤجان ادا سے اے آر خاتون اور منشی پریم چند سے ابنِ صفی کے ناولوں تک ادب کے مطالعہ میں میری رہنمائی کی اور مجھ میں اردو کا ذوق پیدا کیا"

لکھنے لکھانے کا سلسلہ شیر شاہ سید نے سکول کے تعلیمی دور میں ہی شروع کر دیا تھا اور ان کی پہلی کہانی نویں جماعت میں سکول کے رسالے میں "سو روپے کا نوٹ" کے عنوان سے چھپی۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ شوق جنون بنتا گیا اور پھر ان کی تحریریں مختلف رسائل خصوصاً "پاکستانی ادب" میں دکھائی دینے لگیں۔ میڈیکل کے آخری تعلیمی سال میں شیر شاہ سید نے دو ناولٹ لکھے جو اس بات کے عکاس تھے کہ ان کے اندر کا ادیب مکمل طور پر جاگ چکا ہے۔ شیر شاہ سید ترقی پسند تحریک سے متاثر ہیں اور اشتراکی فکر ان کے افسانوں میں ہمیں جابجا وہاں دکھائی دیتی ہے جہاں وہ طبقاتی نظام اور پسماندہ طبقے کے مسائل پر نوحہ کناں نظر آتے ہیں۔

شیر شاہ سید لکھتے ہیں:

> "آخری سال کے دوران ملک میں سیاسی گرمیوں میں مزید تیزی آگئی تھی، مارشل لاء حکومت کے خلاف احتجاج ہو رہا تھا۔ میں نے بھی خالد شاہ کے فرضی نام سے دو ناولٹ لکھے "لہو لہو زبانیں" اور "چمنیاں جل اُٹھیں گی" دونوں ناول این ایس ایف نے شائع اور تقسیم کئے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب زیادہ تر میرے ہم جماعت لائبریریوں میں بیٹھے پڑھ رہے ہوتے اور میں سیاسی سرگرمیوں میں مصروف رہتا تھا"۔

شیر شاہ سید معاشرے میں غربت اور بھوک اور جہالت کو ختم کرنا چاہتے تھے اپنے کینیا کے دورے میں انہوں نے ان مصائب کا بہت قریب سے مطالعہ کیا۔ قیامِ یورپ کے دوران دودھ، پنیر اور مکھن کے پہاڑ دیکھ کر کینیا، افریقہ کی بھوک انہیں عالمی ناانصافی کے بارے لکھنے پر مجبور کر دیتی

اور وہ اپنی تحریروں کو ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے۔ ڈاکٹر شیر شاہ سید دس افسانوی مجموعوں دو ناولٹ، ایک ناول، ترجمے کی کتب، بچوں کے ادب پر مشتمل دو کتابیں اور معلوماتی تحقیقی کتابوں کے خالق ہیں ان کے افسانوی مجموعوں کی تفصیل کچھ یوں ہے:

أ. دل کی وہی تنہائی
ب. حسن کو دل کہتے تھے
ج. دل کی بساط
د. دل ہی تو ہے
ہ. دل میرا بالا کوٹ
و. دل ہے داغ داغ
ز. کون دلاں دیاں جانے
ح. دل نے کہا نہیں
ط. چاک ہو ا دل
ي. جو دل نکلے تو دم نکلے

شیر شاہ سید حقیقت کے بھیانک پہلوؤں کو افسانوں میں سمونے کا ہنر جانتے تھے اسی ہنر نے انہیں کئی افسانوی مجموعوں کا خالق بنا دیا مگر اس کے ساتھ ساتھ انہیں اس بات کا احساس بھی شدت کے ساتھ تھا کہ نرسوں، مڈوائفوں اور صحت کے کارکنوں کی تعلیم و تربیت کے لیے اردو میں درسی کتب کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے چنانچہ انہوں نے اس شعبہ کی تعلیم و تربیت کے لیے بھی کئی کتب لکھیں جن میں نرسنگ کی تدریس کے عملی طریقے، انگلش اردو میڈیکل ڈکشنری، رہنما کتاب برائے میڈیکل ٹیکنیشنز، مڈوائفری باتصویر اہم کتب ہیں۔

ڈاکٹر آصف فرخی شیر شاہ سید کی ہمہ جہت شخصیت کے بارے میں لکھتے ہیں

> "اب سے کئی برس پہلے میں نے ڈاکٹر شیر شاہ سید کے افسانے پڑھے تھے اور مجھے آج تک یاد ہے میں ان افسانوں کو پڑھ کر حیران رہ گیا تھا اس وقت زیادہ حیرت اس بات پر ہوئی کہ ڈاکٹر شیر شاہ سید کو میں دن رات کام کرتے ہوئے دیکھتا ہوں وہ ایک مصروف سرجن ہیں ماہر امراض نسواں ہیں، سماجی مسائل و معاملات میں مستعد اور فعال ہیں۔ ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں۔ یا اللہ یہ آدمی پھر افسانے کس وقت لکھ لیتا ہے۔ مجھے بعد میں اندازہ ہوا کہ لوگوں کے دن 24 گھنٹے کے ہوتے ہیں اور جس طرح لوگ کوئی جن یا موکل قابو کر لیتے ہیں اسی طرح شیر شاہ نے کوئی پچیسواں گھنٹہ اختیار کیا ہوا ہے۔ ڈاکٹر شیر شاہ سید اسی پچیسویں گھنٹے کے افسانہ نگار ہیں۔ پہلی کتاب کے بعد شیر شاہ نے متواتر افسانے لکھے ہیں اور لکھ رہے ہیں۔ ان کا تخلیقی سفر پورے اعتماد کے ساتھ جاری ہے وہ افسانوں

کے لیے ایسے موضوعات کے تلاش کرتے ہیں جو معاشرے کی کسی نہ کسی بیماری
یا دکھتی رگ کو چھیڑتے ہیں"۔۴

معاشرے کے یہی ناسور اور زخم ہمیں شیر شاہ سید کے تمام افسانوی مجموعوں کی تمام کہانیوں میں بکھرے دکھائی دیتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ ان زخموں کو محض کریدتے نہیں بلکہ ان زخموں کی درد سے تعمیر کا مادہ بھی گوندھتے ہیں۔ ان کی تحریریں خواتین کو اپنے بنیادی حقوق سے آگاہی اور اپنے حقوق کو حاصل کرنے کی تحریک بھی دیتی ہیں ان کے افسانے مردوں اور عالمی اداروں کو بھی خبردار کرتے ہیں کہ اب وقت کا دھارا بدل رہا ہے اور خواتین پر ناروا ظلم ختم کرنے کا وقت قریب آرہا ہے۔ شیر شاہ سید دماغ سے کام لیتے اور دل سے محسوس کرنے والے مسیحا ہیں وہ ادب کی فنی نزاکتوں کو بھی محسوس کرتے اور بخوبی سمجھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے تمام افسانوی مجموعوں کا آغاز مشہور شعراء کے کسی نہ کسی شعری مصرعہ سے کیا ہے۔

مثلاً پہلا افسانوی مجموعہ "دل کی وہی تنہائی" جس میں سترہ افسانے شامل ہیں اس مجموعے کا عنوان صوفی تبسم کے درج ذیل مشہور شعر سے کیا:

سو بار چمن مہکا ، سو بار بہار آئی
دنیا کی وہی رونق ، دل کی وہی تنہائی

اس مجموعے کے نمائندہ افسانے ہمارے معاشرتی اور سماجی ڈھانچے میں پائی جانے والی خرابیوں کی نشاندہی کرتے ہیں اور معاشرے کے گلے سڑے اخلاقی نظام، ظاہر و باطن کے تضاد، بے راہ روی مادیت پرستی، نوجوان نسل کی اپنے وطن سے بیزاری اور بیرونِ ملک فرار کی کیفیت جیسے عمومی مسائل پر مبنی ہیں۔ ان افسانوں میں علامتی واستعاراتی فضا موجود ہے "سوتا ہوا شہر" "پس آئینہ"، فاختہ کے پر "خول" کیسی زمین کیسا آسمان "اہم افسانے ہیں۔ پاکستان میں ہسپتالوں کے مہنگے ترین علاج کے حوالے سے ایک مرتے ہوئے باپ کی اپنے بیٹے کو نصیحت جنجھوڑ دینے کے لیے کافی ہے:

"بیٹا اگر دل کی بیماری کے ماہر بننا تو ایسا علاج مت کرنا کہ دل کو تو بچالو مگر
زندہ رہنے سے خوف زدہ کر دو کہ یہ قرض کہاں سے پورا ہوگا۔"

"جس کو دل کہتے تھے" شیر شاہ سید کا دوسرا افسانوی مجموعے مرزا غالب کے معروف شعر:

کچھ کھٹکتا تھا میرے سینے میں لیکن آخر
جس کو دل کہتے تھے ، سو تیر کا پیکاں نکلا

سے ماخوذ ہے اس افسانوی مجموعے کے تمام افسانے شاہ صاحب کی ژرف نگاہی کا ثبوت ہیں وہ انسان کے داخل میں جھانکتے ہوئے روح کے کرب کو بھی احاطۂ تحریر میں لے آتے ہیں۔ ڈاکٹر انوار احمد لکھتے ہیں:

"شیر شاہ سید ایک مضطرب تخلیقی روح ہے، جو سرجن ہے اور جو اپنی مہارت کے ساتھ ساتھ اپنی کہانیوں سے اس معاشرے کو بدلنے کی کوشش کر رہا ہے جہا ں تعلیم، صحت اور امن عامہ کے شعبے مسلسل نظر انداز ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ حکمران طبقات کی خواہش ہی نہیں اور عمل بھی یہی رہا ہے کہ عوام جاہل رہیں۔ وہ سوال نہ اٹھا سکیں۔ وہ تقدیر کے تصور پر نظر ثانی نہ کر سکیں وہ علاج کے لیے بھی تعویز گنڈے اور پڑھے ہوئے پانی پر ہی انحصار کریں شیر شاہ کی کہانیوں میں اسکی پیشہ ورانہ مہارت عالمی تجربہ اور خواتین کی بیماریوں سے متعلق اس کے تجربات تو ہیں ہی مگر دردمندی، جرأت اظہار، فنی سلیقہ ان کہانیوں کا بنیادی تاثر ہیں۔ یہ اس کا فنی سلیقہ اور قرینہ ہے کہ اب تک اس کے تمام افسانوی مجموعوں کے عنوانات میں کلیدی لفظ "دل" ہے شاعری میں اقبال جو معنی اس دل کو دیتے ہیں اردو افسانے میں شیر شاہ نے اسے دردمندی، استقلال اور ہمت کے معنی میں صرف برتا نہیں بلکہ اسے قلب نشین بھی کیا۔"

اس افسانوی مجموعے کے نمائندہ افسانے ٹھنڈا پانی، ریگِ ساحل، وعدہ تو کیا ہوتا، باہر کی دنیا وغیرہ ایسے افسانے ہیں جو معاشرے کے ان حقائق کی نقاب کشائی کرتے ہیں جو ہمارے معاشرے میں اندر ہی اندر پنپتے اور مضبوط ہوتے چلے جا رہے ہیں خواتین کے حوالے سے "فیسٹیولا" افسانہ ایک موذی مرض اور اس کے تاثرات میں کربناک تصویر کشی ہے۔ اور ساتھ معاشرے کی سنگدلی پر ضربِ کاری جو ایک حسین اور زندگی سے بھرپور لڑکی "موران" کو غیر تربیت یافتہ دائی کے ہاتھوں پہلے مرض کا شکار ہوتے اور بھی گاہے بہ گاہے موت کے منہ میں جاتے دیکھتا ہے مگر کوئی پرسانِ حال نہیں۔

"میں سوچتا رہا، ٹھٹھہ کا ہسپتال، بچہ جننے والی عورت اور سندھ کے وڈیرے، جاگیردار، پیر فقیر، پاکستان کے سرمایہ دار، چوہدری، مولوی، امیر و کبیر جو اپنے بچوں کے ٹانسلز نکلوانے امریکا جاتے ہیں۔۔۔۔ لاکھوں ڈالر، لاکھوں پاؤنڈ اور ٹھٹھہ کا ہسپتال، جہاں نہ ڈاکٹر ہے نہ نرس نہ آکسیجن ہے نہ پانی۔۔۔۔۔۔ موران ہے، موران کی ماں ہے دردبھری زندگی ہے اور فیسیٹولا ہے۔"

"دل کی بساط" شاہ صاحب کا تیسرا افسانوی مجموعہ فانی بدایونی کے اس شعر سے ماخوذ ہے:

دل کی بساط کیا تھی نگاہِ جمال میں
اک آئینہ تھا ٹوٹ گیا دیکھ بھال میں

اس مجموعے کی زیادہ تر کہانیاں خواتین کے بنیادی مسائل صحت، تعلیم، عزت اور انصاف پر مبنی ہیں۔"عام سی لڑکی"فیصلے کی گھڑی،"عورت کا سرطان"، ایسے ہی موضوعات پر مبنی افسانے ہیں۔ "عورت کا سرطان"ایک ایسی عورت کی دردناک حقیقی کہانی ہے جو پیدا ہوئی تو ماں مر گئی، بڑی ہوئی تو سوتیلی ماں نے بیچ دیا، شوہر جوئے میں اسے ہار گیا، وڈیرے کی رکھیل بنی اور چار بچوں کو جنم دیا۔ ان بچوں کو چھین کر جرائم پیشہ گروہوں کو بیچ دیا گیا پھر اس عورت کو بازار حسن میں بیچ دیا اور آخر کار یہ عورت بچہ دانی کے سرطان میں مبتلا ہو جاتی ہے مگر مرنے سے پہلے وہ اپنی اولاد کو ملنا اور محفوظ ہاتھوں میں دینا چاہتی ہے۔ شیر شاہ ایسی خواتین کی کہانیاں حقیقت میں سنتے اور قلم کے ذریعے معاشرے کے ان ناسوروں کے خلاف جہاد کرتے دکھائی دیتے ہیں وہ اس عورت کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "کیا دیا تھا ہم نے اسے، بچہ دانی کے منہ کا کینسر، میرے باس نے مجھے بتایا تھا کہ مسلمان اور یہودی عورتوں کو بچہ دانی کے منہ کا کینسر نہیں ہوتا کیوں کہ ان کی عورتوں کے بہت سارے جنسی ساتھی نہیں ہوتے۔ میرا دل کرتا ہے اپنی کتابوں کو آگ لگا دوں، اپنے باس کے تمام نوٹس پھاڑ دوں۔ انہیں رضیہ دکھادوں، رضیہ کی لاش دکھادوں"۸

"دل ہی تو"شیر شاہ سید کا چوتھا افسانوی مجموعہ مرزا غالب کے شعر:

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت، درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار، کوئی ہمیں ستائے کیوں

سے ماخوذ ہے۔ یہ مجموعہ بھی عورت اور اس کی زندگی کے دکھوں کی داستان ہے"بے خواب ممتا"، "پہلا پتھر"، "تخلیق کا دکھ"، "دختر فرعون"انوکھی قربت"طوائف"اور پر اسرار مسکراہٹ اس حوالے سے اہم ہیں۔ "دل میرا بالا کوٹ" ان کا ایسا افسانوی مجموعہ جو ۲۰۰۵ء کے زلزلے میں ہونے والی تباہی و بربادی کی داستان ہے اس افسانوی مجموعے کا عنوان نیاز احمد ناز کے اس شعر سے ماخوذ ہے:

نہ بچے، نہ کھار، نہ ماہیا
رباچوٹ ڈاڈی مینوں لائی یا
سونڑیں رب نے لائی چوٹ اے

میں اِتھے تے دل بالا کوٹ اے

اس مجموعے میں ۹ افسانے شامل ہیں اور تمام افسانے ہولناک زلزلے میں تاریخ کے اس اندوہ ناک موقع پر انسانی فطرت کی منفی اور مثبت تصویریں کو پیش کرتے ہیں۔ اہم افسانوں میں "ترکی کا کمبل "، " صدمے "، " زلزلے کے انتظار میں " اور کنکریٹ کی قبر نمایاں ہیں۔ شاہ صاحب کا افسانوی مجموعہ " دل ہے داغ داغ " اختر شیرانی کے معروف شعر پر مبنی ہے۔

آنکھوں سے جوئے خون ہے رواں دل ہے داغ داغ

دیکھے کوئی بہارِ گلستانِ آرزو

اس مجموعے میں شامل تقریباً تمام افسانے عورت اور اس کے ساتھ ہونے والے ظلم اور بد سلوکی کے بارے میں ہیں۔ "سجدوں کی رات "، دل ہے داغ داغ " سندھی بیگم "، "یادوں کا زہر "، "ناٹک "، رشتے کی بنیاد " اور "کافر ممتا " اہم ہیں اگرچہ آج پاکستانی معاشرے میں کہنے کو خواتین میں شعور و آگاہی کی تحریک جنم لے چکی ہے۔ فیمینزم اور اس کے بڑھتے ہوئے اثرات عورتوں کے لیے ایک نئے باب کا آغاز کر چکے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ مادر پدر آزادی حاصل کرنا خواتین کے مسائل کا حل نہیں بلکہ اپنے مرتبے اور مقام سے آگاہی اور حقوق کا درست استعمال اصل عقلمندی ہے۔ شیر شاہ سید کے افسانے پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ یہ کھوکھلے آزادی اور فیمینزم کے نعرے محض امیدِ موہوم ہیں۔ روشن صبح کے لیے شمعیں ابھی روشن کرنا ہیں۔ شیر شاہ سید کا افسانوی مجموعہ " کون دلاں دیاں جانے " صوفی شاعر سلطان باہو کے درج ذیل شعر سے لیا گیا ہے

دل دریا سمندروں ڈونگھے

تے کون دلاں دیا جانے ہو

ان کا افسانوی مجموعہ " چاک ہوا دل " فانی بدایوانی کے اس شعر سے ماخوذ ہے

گو چاک ہو ا دل مگر ارماں نہیں نکلے

بے فائدہ کھولا درِ زندانِ تمنا

ان دونوں افسانوی مجموعوں کے بنیادی موضوعات عورتوں کے مسائل جسمانی امراض، معاشرتی، اور اخلاقی انحطاط پر مبنی ہیں۔ ان کا آخری افسانوی مجموعہ جو ۲۰۱۶ء میں منظرِ عام پر آیا وہ " جو دل نکلے تو دم نکلے " ہے اور مجموعے کا عنوان مرزا خان داغ دہلوی کی غزل کے مطلع سے لیا گیا ہے:

نکال اب تیر سینے سے کہ جانِ پُر الم نکلے
جو یہ نکلے تو دل نکلے جو دل نکلے تو دم نکلے

اس مجموعے کے بیشتر افسانے دہشت گردی، مذہبی مناقشات، ضعیف الاعتقادی اور ہجرت کے موضوعات پر مبنی ہیں۔ مجموعی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ڈاکٹر شیر شاہ سید ایسے مسیحا ہیں جو سرجری کے آلات سے علاج کرتے کرتے الفاظ کے ہتھیاروں سے مسیحائی کا گرُ بھی جانتے ہیں ان کے افسانوں کا مطالعہ کیا جائے تو ہم یہ فیصلہ نہیں کر پاتے کہ وہ مسیحا بہترین ہیں یا کہانی کار۔ ادب سے لگاؤ، افسانے کی نزاکتیں، شعری علامات واستعارات اور تراکیب کا برتاؤ ان کی تحریروں سے جھانکتا محسوس ہوتا ہے۔ افسانوی مجموعوں کے عنوانات سے ان کے شعری ذوق اور جمالیاتی حس کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اب یہ فیصلہ قارئین پر چھوڑتے ہیں کہ ڈاکٹر شیر شاہ سید مسیحا بڑا ہے یا افسانہ نگار۔

# حوالہ جات


۱۔ قیصر تمکین، افسانہ و شعر۔۔۔ آویزش؟(مضمون) مشمولہ ،افسانے کے مباحث مرتبہ ایم اے فاروقی، لاہور، بک ٹائم،۲۰۱۷ء:ص ا

۲۔ شیر شاہ سید، ڈاکٹر، دل کی وہی تنہائی، کراچی، شہرزاد، ۲۰۱۵:ص ۱۷

۳۔ شیر شاہ سید، ڈاکٹر، وہ صورت گر کچھ خوابوں کا، کراچی، شہرزاد، ۲۰۱۳ء:ص ۹۷

۴۔ آصف فرخی، مضمون مشمولہ فسانہ دل کا، کراچی، شہزاد، ۲۰۱۰ء:ص ۷

۵۔ شیر شاہ سید، ڈاکٹر، دل کی وہی تنہائی، کراچی، شہزاد، ۲۰۱۰ء:ص ۵

۶۔ انوار احمد، ڈاکٹر، اُردو افسانہ ایک صدی کا قصہ، ملتان کینٹ، کتاب نگر ۲۰۱۷ء:ص ۱۰۷

۷۔ شیر شاہ سید، ڈاکٹر، جس کو دل کہتے ہیں، کراچی، شہزاد، ۲۰۰۱ء:ص ۱۳

۸۔ شیر شاہ سید، ڈاکٹر، دل کی بساط، کراچی، شہزاد، ۲۰۰۱ء:ص ۱۵